اعلیٰ اقدار کی حفاظت کریں، کسی قسم کی احساس کمتری کا شکار نہ ہوں اور اپنی نسلوں میں ان اقدار کو منتقل کریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 21 / اکتوبر 1994ء بمقام نیویارک، امریکہ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے فرمایا:

اس دفعہ یونائیٹڈ سٹیٹس اور کینیڈا کے سفر کے دوران مجھے یہاں پانچ جمعے ادا کرنے کی توفیق ملی اور یہ اس سلسلے کا آخری جمعہ ہے جو میں یہاں آج نیویارک میں ادا کرنے کی توفیق پا رہا ہوں۔ مختلف موضوعات پر مختلف جمعوں میں مَیں نے خطاب کیا۔ دو کینیڈا میں ادا ہوئے اور آج تیسرا یہ ہے اس کو شامل کر کے تین یونائیٹڈ سٹیٹس میں۔

آج کے خطبے کے لئے پہلے تو مختصراً میں اپنے تأثرات آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں میرے سفر کا آغاز لاس اینجلس سے ہوا اور پھر اس کے بعد مجھے سانس فرانسسکو جانے کا موقع ملا اور پھر سیٹل کی جماعت کے ساتھ کچھ گھنٹے گزارنے کی توفیق ملی اور اس کے بعد پھر کینیڈا کا سفر ہوا۔ لاس اینجلس کی جماعت سے متعلق میں بہت اچھے تأثرات لے کر آیا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر شعبے میں، ہر پہلو سے وہاں زندگی کے آثار پہلے سے نمایاں تر ہو چکے ہیں۔ تبلیغ بھی وہ نہایت سنجیدگی اور لگاؤ کے ساتھ کر رہے ہیں اور بہت سے احمدی ہیں جو داعی الی اللہ بن کر ہر پہلو سے خدمت کے کاموں میں مگن ہیں۔ اور جو احباب ان کے تعلق میں ملنے کے لئے آتے رہے ان کے چہروں سے صاف عیاں تھا کہ ان پر ایک عرصے تک محنت ہو چکی ہے۔ بعض دفعہ داعین الی اللہ محض

رجسٹر پر نام لکھوا دیتے ہیں اور محنت نہیں کرتے وہ پہچانے جاتے ہیں کیونکہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ جب مجالس سوال و جواب میں ایسے داعیین الی اللہ کے محنت کر کے اکٹھے کئے ہوئے لوگ وہاں پہنچتے ہیں تو ان کی طرز سے، ان کی آنکھوں، ان کی اداؤں سے صاف پتا چلتا ہے کہ پہلے ان پر کوئی کام نہیں ہوا اور ان کے سوالات بھی اسی نوعیت کے ہوتے ہیں لیکن وہ جن پر کام ہو چکا ہو ان کے اندر تبدیلی کے آثار ظاہر ہو چکے ہوتے ہیں۔ ان کے چہروں پر وہ سعادت کا نور آ جاتا ہے جو نور کے قریب ہونے سے طبعاً ظاہر ہونا چاہئے اور وہ پاک علامتیں ظاہر ہوتی ہیں جن کے نتیجے میں ان کے لئے بے اختیار دل میں محبت پیدا ہوتی ہے اور بہت سے ایسے لوگ عملاً پکا ہوا پھل ہوتے ہیں ایسے موقع پر ان کو بہانہ چاہئے اور وہ پھر بہت جلد احمدیت کی آغوش میں آ جاتے ہیں۔ پس اس پہلو سے لاس اینجلس میں مجھے خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یہ محنت دکھائی دی اور جو احمدی اس علاقے میں ہوئے ہیں ان کے اندر پختگی کے آثار بھی تھے اور آئندہ بہت نیک ارادے ظاہر کر رہے تھے لفظوں میں بھی اور ان کی اداؤں سے بھی معلوم ہوتا تھا کہ اس بات میں سنجیدہ ہیں کہ آئندہ وہ اپنے علاقے میں، اپنے ماحول میں، اپنے گردوپیش بکثرت احمدیت کا پیغام پہنچائیں گے اور بہت گہرا اطمینان ان کے اندر دکھائی دیتا تھا۔ پس اس پہلو سے دعوت الی اللہ کے کام میں خدا کے فضل سے لاس اینجلس میں جو نمونہ قائم ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے ابھی بہت کام ہونے والا ہے اس سے کسی حد تک اطمینان ہوا کہ امریکہ کی سرزمین بھی انشاء اللہ آئندہ دعوت الی اللہ کے کاموں میں زیادہ تیز رفتاری سے آگے قدم بڑھائے گی۔

دوسری جگہوں میں ایسا کوئی نمایاں نظارہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ لیکن ایک اور بات جس سے میں عموماً مطمئن ہوا ہوں اور اس میں محض لاس اینجلس کا اعزاز نہیں بلکہ عمومی طور پر امریکہ کے دورے کے دوران کیونکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے مجھے بکثرت احمدی خاندانوں سے ملنے کی توفیق ملتی رہی ہے اور سینکڑوں خاندانوں کے ہزارہا افراد سے بچوں، بڑوں، جوانوں سب سے گفتگو ہوئی اور بعض جگہ چونکہ وقت بہت تھوڑا تھا، ویسے توفیق نہیں ملی مگر اکثر جگہ بیٹھ کر ایک دوسرے سے ایک دوسرے کی دلچسپی کی باتیں کرنے کا موقع ملا۔ اس پہلو سے میں نے دیکھا ہے جو سب سے خوش کن بات مجھے اس دفعہ معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ایفروامریکن نوجوان نسل میں پہلے سے بہت بڑھ کر جماعت سے تعلق

پیدا ہوا ہے۔ اس سے پہلے میں ہمیشہ یہ شکوہ لے کر واپس جایا کرتا تھا کہ پہلی نسل کے مخلصین تو اسی طرح قائم ہیں مگر آگے اپنی آئندہ نسلوں میں انہوں نے احمدیت کی اقدار کو بڑھایا نہیں اور یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر: 19) کے پیغام کو نہ سمجھا نہ اس پر عمل کیا چنانچہ بکثرت ایسے خاندان میرے علم میں آتے رہے جن کے بڑے تو اسی طرح اخلاص میں قائم رہے مگر نسلیں ہاتھوں سے پھسل گئیں اور واپس دنیا داری کی طرف لوٹ گئیں۔ بعض ایسے بھی واقعات ہوئے جو بہت تکلیف دہ تھے کہ اگر عیسائیت سے وہ خاندان آیا تو اگلی نسل رفتہ رفتہ سرکتی ہوئی واپس عیسائیت میں چلی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ باشعور طور پر انہیں اپنے ساتھ لگائے رکھنے کی کوشش نہیں ہوئی اور جو خاندانی تعلقات کے اسلامی تصورات ہیں ان کے مطابق خاندانی تعلقات کو ڈھالا نہیں گیا ورنہ یہ ناممکن ہے کہ ماں باپ اسلامی قدروں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے بچوں سے پیار اور تعلق رکھیں، انہیں اپنے قریب کریں اور اپنے گھروں کو ان کی دلچسپیوں کا مرکز بنائیں اور پھر بھی وہ بچے سرک کر باہر نکل جائیں، یہ فطرت کے خلاف بات ہے۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ کیسی ہی زہریلی سوسائٹی کیوں نہ ہو جہاں خاندانوں کے تعلقات اسلامی اقدار کے مطابق باندھے جاتے ہیں اور انہیں قائم رکھا جاتا ہے وہاں اگلی نسلیں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ محفوظ رہتی ہیں اور باہر سے زیادہ ان کا دل گھر میں لگتا ہے۔ پس اس پہلو سے میں نے دیکھا ہے کہ امریکہ میں بہت ہی اچھے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی جو امریکن بچے یعنی پاکستان سے آکر بنے ہوئے امریکن نہیں بلکہ یہیں کی زمین کی پیداوار اور یہیں پلنے بڑھنے والے بچے اللہ کے فضل سے ایسا گہرا تعلق رکھنے لگ گئے ہیں کہ ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی اور ان کی محبت آئندہ اس اسلام کے خوش آئند مستقبل کی ضمانت دے رہی تھی۔ پس اس پہلو سے ابھی ہمیں اور کام کرنے کی ضرورت ہے احمدی خاندانوں میں جو باہر سے آکر یہاں بسے ہیں ان میں ابھی مزید اس پہلو سے اصلاح کی ضرورت ہے۔ بہت سے بچے میں نے ان میں سے ایسے دیکھے ہیں جن کی نظروں میں غیریت آچکی تھی۔ جن میں معلوم ہوتا تھا کہ وہ مل کر کچھ اثر تو قبول کر رہے ہیں لیکن ماں باپ کے دباؤ کے نیچے یا مشوروں کے مطابق منت سماجت کے نتیجے میں وہ اس موقع پر پہنچ گئے ہیں مگر خود دل کے شوق سے نہیں آئے اور ان کی اجنبیت ان کے لباس، ان کے رنگ ڈھنگ، ان کے اٹھنے بیٹھنے، ان کے دیکھنے

کی طرز سے بالکل ظاہر ہوتی تھی۔ تو ایسے موقعوں پر میں کوشش تو کرتا ہوں کہ ان سے ذاتی تعلق قائم ہو اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کی آنکھوں میں بسا اوقات ملاقات کے ختم ہونے سے پہلے پہلے ہی پاک تبدیلیاں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ مگر یہ چند لمحوں کا کام نہیں اس کے لئے لمبی محنت کی ضرورت ہے، حکمت کی ضرورت ہے۔

وہ ماں باپ جو اپنے بچوں سے پیار ہی نہیں عزت کا سلوک بھی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی نظم و ضبط کو بھی قائم رکھتے ہیں وہی ہیں جو کامیاب ہیں اور جن کے متعلق کسی حد تک اطمینان سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ آئندہ اچھی نسل آگے بھیجیں گے اور اطمینان کے ساتھ خدا کے حضور لوٹیں گے کہ ہماری نسلیں بھی انہی قدروں پر قائم ہیں جو قدریں ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے ورثے میں پائی تھیں۔ پس اس پہلو سے جو، اب زیادہ قابل فکر پہلو ہے کہ جو باہر سے آکر یہاں آباد ہوئے ہیں اور بہت بڑی تعداد ایسوں کی ہے جن کے اقتصادی معیار پہلے بہت چھوٹے تھے اور یہاں آکر دنیا داری کے اثرات ان کے چہروں پر دکھائی دینے لگے ہیں۔ بچوں ہی میں نہیں، بعض دفعہ بڑوں میں بھی میں نے دیکھا بعض خواتین آئی ہیں جو ساری عمر ربوہ میں پلنے والی، وہاں پردوں کی پابند اور حیادار، یہاں آتے ہی ان کو پردے سے حیا ہوگئی ہے بجائے غیروں سے حیا کے اور برقعہ معلوم ہوتا تھا وقتی طور پر مجھے دکھانے کے لئے استعمال ہوا ہے اور جب باہر موقع ملا جانے کا برقع اتارا اور بغل میں دبایا اور پھر اسی دنیا میں واپس لوٹ گئیں جہاں سے عارضی طور پر چھٹی لے کر ملنے آئی تھیں۔ یہ نظارے بہت ہی تکلیف دہ ہیں۔ میں ان لوگوں کے ماں باپ کو بھی جانتا ہوں۔ غریبانہ زندگی مگر بہت ہی اخلاص تھا اور اخلاص کے نتیجے میں وہ روحانی طور پر بہت امیر لوگ تھے۔ تو جو دولت رکھنے کے لائق تھی وہ تو پھینک دی اور جو بے اعتنائی کے لائق تھی اس کے غلام بن گئے یہ کوئی اچھا سودا نہیں ہے۔ اس پہلو سے میں سمجھتا ہوں کہ جماعت امریکہ کو باقاعدہ منصوبہ بنا کر مزید اصلاح کی کوشش کرتے رہنا چاہئے اور ان لوگوں کو اپنے آباؤ اجداد کی یادیں زندہ رکھنے میں مدد دینی چاہئے۔ یہ ایک بہت ہی اہم کام ہے جس کی طرف میں نے ایک دفعہ افریقہ کے دورے میں توجہ دلائی تھی اور بعض ملکوں نے اس پر عمل درآمد بھی کیا اور بہت فائدہ پہنچا۔

ہم میں سے وہ لوگ جو پاکستان سے یہاں آباد ہوئے ہیں وہ بھی اور وہ لوگ جو یہاں

اسلام میں داخل ہوئے ہیں وہ بھی اپنا بہت شاندار ماضی ضرور رکھتے ہیں کیونکہ بہت سے افریقن احمدی اور بعض ان میں سفید فام احمدی بھی ہیں انہوں نے خود اسلام قبول نہیں کیا ان کے آباؤ اجداد نے قبول کیا اور اس کے نتیجے میں انہوں نے قربانیاں بھی دیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت معجزے بھی دیکھے۔ چنانچہ ان بزرگوں کی یاد کو تازہ رکھنا اور بار بار یاد دلاتے رہنا یہ کام ایک منظّم کوشش کو چاہتا ہے اس پہلو سے یہاں کے جو رسائل ہیں ان میں یہ ذکر خیر جاری رہنا چاہئے اور آئندہ نسلوں کو ان کے آباؤ اجداد کی باتیں بتاتے رہنا چاہئے کہ انہوں نے کس قیمت پر احمدیت حاصل کی تھی اور کیسی کیسی قربانیاں اس راہ میں دی تھیں۔ بہت سے ایسے خاندان میری نظر میں ہیں جن میں یہ کمزوریاں واقع ہوئی ہیں لیکن ان کے آباؤ اجداد نے بہت عظیم الشان قربانیاں دین کو حاصل کر کے اس کو قائم رکھنے کے لئے دیں اور تمام عمر وہ یہ قربانیاں پیش کرتے رہے۔ ان کی روحوں کو اگر طمانیت پہنچانی ہے، اگر ان سے محبت ہے، ان کے احسانات کا حق ادا کرنا ہے تو سب سے اعلیٰ طریق یہ ہے کہ انہی کی قدروں کو اپنی ذات میں زندہ رکھیں۔ ایک نسل جو آ کر گزر جاتی ہے وہ کبھی نہیں مرتی اگر ان کی خوبیاں اگلی نسل میں زندہ رکھی جائیں اور ان کی حفاظت کی جائے۔ مرتے وہ لوگ ہیں جن کی قدریں ان کے ساتھ مر جاتی ہیں اور قدروں کے ساتھ ہی عزتیں وابستہ ہوتی ہیں۔ قدروں کے ساتھ ہی محبتیں وابستہ ہوتی ہیں۔ اگر ایک انسان غریب ماں باپ کا بیٹا ہو اور ترقی کر جائے اور ماں باپ کی قدریں کھو بیٹھا ہو تو وہ ماں باپ اس پر بوجھ بن جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں ان کے ساتھ میرا میل جول، لوگوں کا دیکھنا کہ میرے ماں باپ کس زمانے کے لوگ ہیں، کیسا رہن سہن ہے، میرے لئے شرمندگی کا موجب ہو گا کیونکہ ان کی نظر میں دنیا کی قدریں بچ جاتی ہیں اور ماں باپ کے اعلیٰ اخلاق اور ان کے روحانی مقامات ان کی نظر میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ وہ جن کی نظر میں یہ حقیقت رکھتے ہیں ان کو دنیا کی نظروں کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کیونکہ وہ ان قدروں سے وابستہ ہوتے ہیں۔ وہ بڑی عزت اور محبت اور احترام سے ان لوگوں کو، اپنے بزرگوں کو دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ان کی عزت کی وجہ سے دنیا بھی ان کا بہت احترام کرتی ہے۔ ان کی غربت اور سادگی دنیا کو انہیں چھوٹا نہیں دکھاتی بلکہ اور بڑا کر کے دکھاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ عظمت نہ کپڑوں سے وابستہ ہے، نہ دولت سے وابستہ ہے، اعلیٰ اقدار ہی سے وابستہ ہے اور اہل نظر پہچانتے ہیں اور جانتے ہیں کہ کون سی باتیں قدر کے لائق ہیں۔

اس لئے بعض دفعہ بعض احمدی خاندان بے وجہ خوبیوں سے شرمندہ ہوتے پھرتے ہیں اور بدیوں کو اعزاز سمجھتے ہیں جبکہ دنیا والے جانتے ہیں کہ خوبیاں ہی قابل قدر ہیں اور قابل احترام ہیں۔ مجھے یاد ہے قادیان میں جب باہر سے بعض معززین آیا کرتے تھے یعنی دنیا کے لحاظ سے بڑے لوگ، وہ مطالعہ کے لئے آتے تھے، سب سے زیادہ وہ قادیان کی سادگی اور غریبانہ زندگی سے متاثر ہوتے تھے اور حقیقت میں کبھی اگر گودڑیوں میں لعل دکھائی دیتے تھے تو قادیان کا وہ زمانہ تھا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہؓ ان گلیوں میں پھرتے اور پرانی اقدار کا نور لئے پھرتے تھے جس سے وہ گلیاں روشن دکھائی دیتی تھیں۔ وہ عجیب زمانہ تھا۔

میں نے بارہا دیکھا ہے کہ باہر سے آنے والے ایک رات بعض دفعہ گزار کر جاتے تھے ان کی کایا پلٹ جاتی تھی۔ ایک دفعہ میرے گورنمنٹ کالج کے ایک دوست جو میرے ساتھ وہاں رہتے تھے جماعت میں اگر کوئی دلچسپی تھی تو میری وجہ سے ایک تعلق تھا مگر دل میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں پیدا ہوئی کہ گویا وہ جماعت کی بحیثیت جماعت قدر کریں اور عزت کریں۔ وہ سمجھتے تھے ایک شخص ہے بس اس سے تعلق ہے۔ ایک دفعہ ان کو میں نے قادیان بلایا اور غالباً ایک دو راتیں ٹھہرے ہیں وہاں اور جاتی دفعہ ان کی آنکھوں میں آنسو۔ کہتے تھے مجھے تو دنیا میں جنت کا آج پتا لگا ہے کیا ہوتی ہے اور وہ غریب لوگ تھے جو بسنے والے، وہاں کوئی شان و شوکت نہیں تھی یہ اس زمانے کی بات ہے جبکہ قادیان میں گنتی کی دو یا چار کاریں ہوں گی اور وہ بھی جب نکلتی تھیں تو احتیاط سے چلا کرتی تھیں کہ لوگوں پر گرد نہ پڑے۔ سڑکیں بھی ٹوٹی پھوٹی، گڑھوں والی اور غریبانہ زندگی، لیکن عظمت کردار نمایاں تھی اور وہ گلیاں دن کو بھی روشن رہتی تھیں، رات کو بھی روشن رہتی تھیں اور ان میں کبھی کوئی جھجک پیدا نہیں ہوئی دنیا کے سامنے۔ بڑی عزت سے سر اٹھا کر چلتے تھے اور جانتے تھے کہ یہی قدریں ہیں جو تحسین کے لائق ہیں باقی دنیا بے چاری محروم ہے۔ وہ تکبر سے عاری تھے، باقی دنیا کو حقارت سے نہیں دیکھا کرتے تھے عزت سے ملتے تھے، جھک کر ملتے تھے مگر ان سے متاثر ہو کر نہیں، اپنی اعلیٰ قدروں کی وجہ سے، جنہوں نے انہیں انکسار بھی سکھایا اور بتایا کہ یہ اعلیٰ قدریں تکبر پیدا کرنے کے لئے نہیں بلکہ انکسار پیدا کرنے کے لئے ہیں۔

پس اسلامی قدریں ایک ایسی اعلیٰ دولت ہے جیسا کہ مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ

اسلام نے جو خدا کا تصور پیش کیا ہے یہ اس لائق ہے کہ جان دے کر بھی ملے تو لیا جائے، یہ ایک انمول خزانہ ہے۔ پس احمدیت کچھ تو عقائد سے وابستہ ہے اور وہ عقائد بھی اللہ کے فضل سے روشن اور زندہ رہنے والے اور غالب آنے والے ہیں۔ لیکن کچھ قدروں سے وابستہ ہے جو ہماری ذات میں زندہ رہتی ہیں۔ ان قدروں کو زندہ رکھیں گے تو آپ کے عقائد میں دنیا دلچسپی لے گی ورنہ عقائد کیسے ہی روشن اور مضبوط اور دلائل میں قوی کیوں نہ ہوں، دلائل کے قوی سہارے کیوں نہ رکھتے ہوں، عقائد کی طرف توجہ نہیں جایا کرتی جب تک ان عقائد کے رکھنے والوں کے عظیم کردار کا انسان مشاہدہ نہ کرے۔ پس اس پہلو سے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم ان خاندانوں کو جو بہت بزرگ لوگوں کی اولاد تھے۔ مشہور نہیں بھی تھے تو بزرگ تھے، سادہ غریبانہ کپڑوں میں پھرنے والے اہل اللہ لوگ تھے جن کی دعائیں قبول ہوتی تھیں، جن پر دن رات اللہ تعالیٰ کی قربت کے نشان اترا کرتے تھے۔ ان لوگوں کی نسلوں کو ان کے آباؤ اجداد کا روشن ماضی تو بتائیں تا کہ اس روشنی سے کچھ حصہ لے کر ان کا حال روشن ہو جائے اور وہ اس دنیا کے اندھیروں کو اس مستعار روشنی کے ذریعے روشن کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔ اگر یہ جماعت نے منظّم کوشش نہ کی تو مجھے ڈر ہے کہ یہاں کا معاشرہ ایسا ہے، یہاں کی تہذیب ایسی ہے کہ لوگ سرکتے سرکتے، رفتہ رفتہ دور ہٹنے لگیں گے اور بہت نہیں تو کم سہی مگر ہیں ضرور جو ہٹ چکے ہیں اور جہاں ماں باپ کی نظریں بدلیں وہاں اولاد کی نظریں اور زیادہ بدل جاتی ہیں۔ پس ان قدروں کی حفاظت کے لئے آپ جتنی بھی توجہ کریں گے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

جہاں تک لاس اینجلس اور واشنگٹن اور دیگر جگہوں پہ جلسوں کا انتظام تھا اور جلسے نہیں تھے تو مل بیٹھنے کا انتظام تھا۔ وہاں سب جگہ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ جماعت نے غیروں کے ساتھ ملاپ میں کسی قسم کا احساس کمتری نہیں دکھایا اور پردے کا خیال رکھا۔ احمدی خواتین الگ بیٹھتی تھیں اور مہمان مرد الگ بیٹھتے تھے اور ہر پہلو سے اس کو کھل کر بڑے فخر، یعنی فخر کے معنی تکبر نہیں، بلکہ اس احساس کے ساتھ کہ ہماری قدر اونچی ہے، انہوں نے اس پر عمل کیا اور کہیں بھی مجھے کوئی کسی قسم کی شرمندگی دکھائی نہیں دی، کہ اوہو یہ تو مغربی تہذیب ہے لوگ کیا کہیں گے، یہ عورتیں کیسی ہیں، یہ الگ کیوں بیٹھی ہوئی ہیں، ان کے مرد کیسے بدھو اور جاہل ہیں کہ اپنی عورتوں کی نمائش نہیں کر رہے۔ کوئی ایسا تصور ان کے

قریب بھی نہیں پھٹکا۔ مجھے افسوس ہے کہ اس پہلو سے نیویارک وہ نمونہ نہیں دکھا سکا جو اس سے پہلے جماعتیں دکھاتی رہیں۔ اگر چہ یہاں کا اجلاس کہہ لیں یا ملن پارٹی تھی وہ کئی پہلوؤں سے پہلی جگہوں کی نسبت زیادہ بہتر طور پر منظّم تھی اور بہت محنت کی گئی تھی۔ بہت اچھے اچھے لوگوں کو بلایا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ وہ بہت نیک تأثر لے کر لوٹے ہیں لیکن ایک پہلو سے یہ تقریب میرے لئے مسلسل شرمندگی کا موجب رہی کیونکہ میں نے دیکھا کہ بعض مردوں کی میزوں میں احمدی خواتین جو حیادار خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں، وہ بیٹھی ہوئی تھیں اور بے جھجک ان لوگوں سے باتیں کر رہی تھیں۔ شاید ان کے خاوندوں نے کہا ہو کہ ہم اپنے دوستوں میں ذلت محسوس کریں گے اگر تم الگ بیٹھو گی اور وہ کہیں گے کہ تم کیسے پرانے زمانے کے لوگ ہو جو مل جل کر ہمارے اندر نہیں بیٹھتے۔ شاید اس وجہ سے وہ مجبور ہوئے ہوں کہ عام روزمرہ ان کا یہی دستور تھا اور اب ان میں تبدیلی کرنے کا کوئی جواز دکھائی نہیں دیتا تھا۔ میری موجودگی ہی ایک جواز تھا لیکن ان کا اثر ان پر اتنا غالب آ چکا تھا کہ وہ مجھ سے شرمندہ ہونا منظور کر گئے اور مجھے شرمندہ کرنا قبول کر لیا لیکن اپنے دوستوں سے شرمندہ ہونا انہوں نے منظور نہ کیا۔ ایسے موقع پر اگر کثرت کے ساتھ دوسرے مہمان نہ ہوتے تو میں اٹھ کر چلا آتا کیونکہ میری موجودگی کی بہت سی ذمہ داری مجھ پر پیدا ہوتی ہے۔ اگر میں ایسی مجلس میں بیٹھا رہوں تو آئندہ تاریخ غلط استنباط کر سکتی ہے۔ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں وقت ہم نے خود دیکھا ہے خلیفہ وقت بیٹھا ہوا تھا اور خوب مزے کی مجلس تھی اور احمدی خواتین غیروں کی میزوں میں ساتھ ہی بیٹھی ہوئی ان کے ساتھ گپ شپ مار رہی تھیں تو تمہیں خلیفہ سے زیادہ اسلامی قدروں کا احساس ہے جو آج ہمیں ٹوک رہے ہو۔ یہ بات نہایت ہی خطرناک ہے اور میں جماعت نیویارک کی دل شکنی نہیں کرنا چاہتا تھا مگر یہ مجبوری ہے جس کی وجہ سے مجھ پر لازم ہو گیا ہے کہ تاریخی حقائق کو کھول کر آپ کے سامنے رکھوں۔ وہ وقت ایسا تھا، وہ حالات ایسے تھے کہ میں کھلم کھلا اپنی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کر سکتا تھا اور ان کا گویا زبان حال سے مجھے یہ پیغام تھا کہ اب بتائیں آپ کیا کر سکتے ہیں، کوئی سزا دے سکتے ہیں تو دے کے دکھائیں۔ مگر میں تو سزا نہیں دیا کرتا ایسے موقعوں پر، لیکن میں سزا لیا ضرور کرتا ہوں۔ پس ان کو میرا جوابی پیغام یہ تھا کہ تم مجھے سزا دے لو جتنی چاہو میں مجبور ہوں، میں نے بعض قدروں کی حفاظت کرنی ہے مگر بعض دوسری قدروں کے تقاضے بھی ہیں جن کے پیش نظر بعض دفعہ انسان بے بس

ہو جاتا ہے لیکن یہ بتانا ضروری ہے کہ آئندہ ایسی احتیاط کریں ورنہ مجھے ایسی مجلسوں میں نہ بلایا کریں۔

احمدی خواتین کو جتنا ان کا بنیادی ضروری حق ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ میں نے ہر موقع پر دیا اور اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ ہماری جماعت میں جو زیادہ مولویانہ ذہن رکھتے ہیں وہ مجھ پر کیا کیا اعتراض کریں گے اور کیسے کیسے حملے کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ وہ جو مولویانہ ذہن رکھتے تھے ان کے اندر بھی کچھ ایسی پاک تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں کہ اب ان کی زبانیں اس طرح نہیں کھلتیں جیسے بعض زمانوں میں کھلا کرتی تھیں اور نظام جماعت کے احترام کے لئے جتنا زور دیا گیا ہے اس کا اللہ تعالیٰ کے فضل سے اچھا نتیجہ ظاہر ہوا ہے۔ شاذ کے طور پر کبھی مجھے خطوں میں یہ بات لکھ دی جاتی ہے جو کسی کو ناپسند ہو اور میں خطوں ہی میں اس کا جواب دے دیتا ہوں کیونکہ اکثر مجھے معلوم ہے کہ اب وہ بات نہیں کہ مجلسوں میں بیٹھ کر لوگ طعن و تشنیع کریں اور احمدی آرام سے ان کو قبول کریں۔ اب احمدی غیرت کا معیار بھی خدا کے فضل سے اتنا بلند ہو گیا ہے اور خلافت کے ساتھ ذاتی تعلق اللہ تعالیٰ کے فضل سے دن بدن بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ بجائے کم ہونے کے میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کا معیار بہت بلند ہو رہا ہے۔ اس وجہ سے اب اگر کوئی بیمار دل ہے بھی تو اسے جرأت نہیں ہے کہ کسی احمدی مجلس میں اس طرح خلافت کے کسی کردار کو یا نظام جماعت کو تضحیک کا نشانہ بنائے اور لوگ سن لیں۔ اس لئے بعض بیماریاں وقتی طور پر ان کے لئے ناخوش گوار ماحول کی وجہ سے دبی رہتی ہیں، دب جاتی ہیں مگر چونکہ اپنے طور پر لوگوں کی نظر سے ہٹ کر مجھے خط لکھنا آسان ہے اس لئے ایسے لوگ اپنے دل کا غصہ خطوں کے ذریعے نکال لیتے ہیں مگر بہت کم ہو رہے ہیں اور جو نکالتے ہیں ان کو جب میں جواب دے کر سمجھاتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ شاذ کے طور پر ہی کوئی ہوگا جو اس کو قبول نہ کرے ورنہ اکثر معذرت کا بھی اظہار کرتے ہیں، کہتے ہیں ہمیں بات کی سمجھ نہیں آسکی تھی، اب سمجھ گئے ہیں اور مطمئن ہیں۔ تو یہ بات ہے جس کے پیش نظر اس موقع پر میرے لئے ضروری تھا کیونکہ یہ ایک پبلک اظہار تھا، یہ کوئی پرائیویٹ خط نہیں تھا اور عام کھلے بندوں اگر کوئی ایسا اظہار ہو جس میں مَیں موجود ہوں اور اس پر ناپسندیدگی کا اظہار نہ کروں، خواہ اس وقت نہیں تو بعد میں سہی تو آئندہ جماعت کی تاریخ بگڑ جائے گی اور اسلامی قدروں کی حفاظت ہمارے لئے آسان نہیں رہے گی۔ اس لئے قطعاً اس بات کی پرواہ نہ کریں کہ دنیا آپ کو کس نظر سے دیکھتی ہے۔

بسا اوقات خرابی مردوں میں ہوتی ہے۔ بعض ایسے خاندان ہیں جن کی شادیاں ایک ایسے خاندان میں ہوئیں جن کے لڑکے اللہ کے فضل سے یہاں آنے کے بعد بڑے مخلص اور جماعت کے کاموں میں پیش پیش تھے مگر احساس کمتری میں مبتلا۔ چنانچہ ان کی لڑکیاں جب وہاں بیاہی گئیں تو مردوں نے کہا کہ ہمارے لئے تو بڑی ذلت کی بات ہے کہ تم پردہ کر کے رہو یا ایسا لباس ہی پہنو کہ لوگوں سے الگ چھپتی پھرو یا ہمارے ساتھ مل کر مکس پارٹیوں میں نہ جاؤ۔ ہم نیک ہیں، مخلص ہیں، چندے دیتے ہیں لیکن یہ بات ہمیں پسند نہیں کہ تم پرانے زمانے کی قدروں کو ہمارے اوپر وارد کرو۔ ایسی ایک ماں نے مجھ سے ذکر کیا، وہ رو رہی تھی کہ میں کیا کروں، میری بچی کا بہت برا حال ہے اور بڑی تکلیف میں ہے اور وہ یہاں تک بھی تیار ہے کہ اپنے خاوند کو کہہ دے کہ اگر یہ بات ہے تو میں دنیا کی خاطر اسلام کی قدروں کو قربان نہیں کروں گی کیونکہ میں عہد کر چکی ہوں کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گی۔ اس لئے تم سے محبت الگ تمہاری نیکیاں اپنی جگہ مگر میں تمہارے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔ مجھ سے انہوں نے پوچھا میں نے کہا جو بات اسلام کی محبت اور اسلامی قدروں کی غیرت کے نتیجے میں کسی احمدی بچی کے دل میں پیدا ہوتی ہے میں اس کی راہ میں کیسے حائل ہو سکتا ہوں اور آج اگر یہ ہے تو کل یہ بات اور بھی بگڑ سکتی ہے۔ کل بچے بھی پیدا ہوں گے ان کے لئے بھی مشکلات پیدا ہوں گی۔ آج یہ تربیت یافتہ بچی اگر اپنی عصمت کی حفاظت کر سکتی ہے تو ایک کھلے کھلے ماحول میں آئندہ بچوں کی تو کوئی ضمانت نہیں ہے۔ اس لئے جو سودا ہے یہ لمبا سودا ہے اور احتیاط کے جو تقاضے ہیں انہیں پورا کرنا چاہئے۔ مگر اصل بات یہ ہے جس کی طرف میں متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ایسے لوگ اگر اپنے نفس پر غور کریں تو ان کو یقین ہو جائے گا کہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہیں نیکی وہاں کرنا جہاں دوسروں کے سامنے وہ نیکی شرمندگی کا موجب نہ ہو، ایسی نیکی ایک اپنا مقام رکھتی ہے لیکن نیکی وہاں کرنا جہاں دوسروں کے سامنے وہ نیکی شرمندگی کا موجب ہو وہ اصل مقام ہے جہاں نیکی پہچانی جاتی ہے، جہاں نیکی کا امتحان ہوتا ہے اور ان راہوں پر یہ خیال کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے اور یہ خیال کہ دنیا مجھے دیکھ رہی ہے ان دونوں خیالات کا ایک ٹکراؤ ہوتا ہے۔ اس تصادم کے نتیجے میں جو بھی شخصیت ظاہر ہوتی ہے وہ یا دنیا دار شخصیت ہے یا دین دار شخصیت ہے اور ایک دفعہ اگر آپ اس تصادم میں خدا کے تصور کو پرے پھینک دیں اور دنیا کی آنکھ کی قدر کریں تو آپ کا ظاہری نیکیوں کا خول بھی رفتہ رفتہ

کھل جائے گا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو جنت کی طرف چلتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ عین جنت کے دروازوں پہ پہنچ جاتے ہیں مگر پھر کوئی ایک بات ان میں ایسی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں پرے دھکیلنا شروع کرتا ہے اور یہاں تک کہ وہ دور ہٹتے ہٹتے جہنم کی طرف رخ اختیار کر جاتے ہیں۔ (مشکوۃ) وہ بنیادی باتیں جو خدا کی محبت اور غیرت سے تعلق رکھتی ہوں اور تصادم کے وقت جن کی آزمائش ہو وہ باتیں ہیں جن میں انسان کے دل کی گہرائی میں موجود نیکی ضرور اپنا اثر دکھاتی ہے اور دل کی گہرائی میں موجود بدی ضرور ننگی ہو کر باہر آجاتی ہے۔

احساس کمتری کیوں اور کس وجہ سے؟ معاشرے سے شرمندہ ہو، اس خیال سے کہ اسلام نے ہمیں آئندہ زمانوں سے پیچھے رکھا ہوا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو پھر خدا پر ایمان متزلزل ہو چکا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو آپ کو مزید مطالعہ کی ضرورت ہے کہ کسی ایسے خدا سے تعلق رکھنا مناسب بھی ہے کہ نہیں جو قدیم زمانوں کے لئے تو موزوں تھا موجودہ زمانے کے لئے ایک قدیم چیز بن چکا ہے۔ یہ ایک تصادم ہے، اعتقاد کا تصادم ہے۔ جو آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں آپ کے طرز عمل میں ظاہر ہوتا ہے۔ پس اس پہلو سے اپنا گہری نظر سے جائزہ لیتے رہیں اور اپنے اعمال پر نگاہ رکھیں کیونکہ سب سے بڑا شر جس سے بچنے کے لئے حضرت محمد مصطفی ﷺ دعا کیا کرتے تھے اور ہمیں سکھاتے رہتے تھے اور خطبات میں وہ دعا پڑھا کرتے تھے وہ ہے مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا (نسائی کتاب الجمعہ حدیث: 1387) اے خدا ہم تیری پناہ مانگتے ہیں خصوصیت سے اپنے نفسوں کے شر سے کیونکہ نفس کا شر جب حملہ کرتا ہے تو دکھائی نہیں دیتا اندر سے دوست بن کر اٹھتا ہے اور بظاہر دوستی کے رنگ میں نیک مشورہ دیتا ہے۔ پس اگر آپ قرآن کریم میں شیطان کے حملوں کا ذکر پڑھیں تو آپ حیران ہوں گے کہ بعینہٖ یہی نقشہ شیطان کے حملوں کا قرآن میں کھینچا گیا ہے کہ وہ ان طرفوں سے آتا ہے جہاں تم اس کو دیکھ نہیں سکتے اور اگر حملہ آور دکھائی نہ دے تو اس سے بچاؤ کے کوئی سامان نہیں۔ پس جب یہ دعا پڑھی جاتی ہے اور ہمیں تاکید سے لکھائی گئی ہے کہ اے خدا ہم اپنے نفسوں کے شر سے پناہ مانگتے ہیں اور تیری پناہ میں آتے ہیں تو تو ہماری حفاظت فرما کیونکہ تو دیکھ رہا ہے اور ہم نہیں دیکھ رہے۔

پس یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں لیکن مثالیں وہی ہیں کہ شیطان نے نفس کے اندر سے اپنا بن کر، ہمدرد ہو کر ایک مشورہ دیا ہے اور آپ نے اسے قبول کر لیا ہے۔ جبکہ جانتے ہیں کہ اس کے مقابل

پر خدا تعالیٰ کی تعلیم کا مشورہ مختلف تھا۔ جو کچھ بے چاری عورت سے مغربی معاشرہ سلوک کر چکا ہے وہ بہت بھاری ظلم ہے۔ اسے کھلونا بنالیا گیا ہے اور ہر کس و ناکس کے جذبات کی تسکین کا ایک ذریعہ بنایا گیا ہے۔ تمام معاشرہ اسی مرکزی فلسفے کے گرد تعمیر ہوا ہے اور مزید تعمیر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس تصور نے گھروں کو برباد کر دیا۔ خاوند کا بیوی سے اعتبار اٹھا دیا۔ بیوی کا خاوند سے اعتبار اٹھا دیا۔ وقتی طور پر چند دن کی لذت یابی نے آئندہ مستقبل کو ایک بھیانک مستقبل میں تبدیل کر دیا۔ یہ چند دن کی زندگی کے مزے بالآخر اس حال کو پہنچتے ہیں جب چاہیں بھی تو مزہ لے نہیں سکتے۔ بیماریاں، بڑھاپے اور پھر تنہائی کیونکہ وہ معاشرہ جو اپنی لذت یابی کو اہمیت دیتا ہے وہ غیر معمولی شدت کے ساتھ خود غرضی پیدا کرتا ہے۔ پس بچے اس وقت تک ماں باپ سے تعلق رکھتے ہیں جب تک ماں باپ ان کے لئے کچھ کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔ جہاں ان کے احسان سے آزاد ہوئے اور وہ موقع آیا کہ ماں باپ احسان کے محتاج ہو جاتے ہیں اس وقت وہ بچے منہ پھیر لیتے ہیں اور بوڑھوں کے گھر، بیماروں کے گھر جو قومی خزانے پر چلتے ہیں وہ اتنا بھر جاتے ہیں کہ ان میں جگہ باقی نہیں رہتی۔ بعض ایسے لوگوں کو پاگل خانوں میں داخل کرا دیا جاتا ہے۔ بعض گلیوں میں کارڈ بورڈ کے گھر بناتے ہوئے شدید سردیوں میں گزارا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں جوان بھی ہیں لیکن ایسے بوڑھے بھی ہیں جن کا کوئی پرسان حال نہیں۔ اس لئے کہ معاشرہ زہریلا ہے اور اس کی قدریں جھوٹی ہیں۔ ہم نے دنیا کے معاشرے کو سبھی قدریں دینی تھیں۔ اگر ہم ہی احساس کمتری کا شکار ہو کر گھروں سے نکلیں گے تو کس طرح ان قدروں کو قائم رکھ سکیں گے۔ کس طرح دوسروں کو یہ قدریں عطا کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ قادیان کا زمانہ جس کا میں نے حوالہ دیا ہے وہ آزاد زمانہ تھا۔ انسان وہی آزاد ہے جو غیر اللہ کے خوف سے آزاد ہو اور وہ سب لوگ خدا تعالیٰ کے فضل سے غیر اللہ کے خوف سے آزاد تھے ایک ذرہ کوڑی کی بھی ان کو پرواہ نہیں تھی کہ غیر اللہ کی نظر انہیں کیسے دیکھ رہی ہے۔ اپنی نظر خدا کی نظر کے تابع کر چکے تھے اور ہر آن ان کو خدا کی نظر دیکھتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو بہت پیارا کلام بار بار پڑھا جاتا ہے اس میں ایک یہ ہے۔

حمد و ثنا اسی کو جو ذات جاودانی ؎

ہمسر نہیں ہے اس کا کوئی نہ کوئی ثانی (درثمین:34)

اس میں جو ٹیپ کا مصرعہ ہے جو بار بار دھرایا جاتا ہے سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ اس میں آتا ہے۔ میں قربان اس ذات کے سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ بڑا ہی پاک ہے جو مجھے دیکھ رہا ہے اس پر جتنا بھی غور کریں کم ہے۔ بہت ہی گہرا کلام ہے اور زندگی میں عمل کے پیچھے جو نیتیں ہیں ان سب پر حاوی ہے اور اصلاح احوال کی چابی اس میں ہے۔

ہر انسان دوسرے کی نظر کے لئے حساس ہوتا ہے۔ تنہائی میں جو چاہے کرلے لیکن جب نظر میں آجائے تو پھر اسے ایک فکر ہوتی ہے کہ میں دیکھنے والے کی نظر کے معیار کے مطابق اپنے آپ کو بناؤں۔ اب مادہ پرست دنیا میں رہتے ہوئے دیکھنے والے کی نظر سُبْحَان نہیں ہے۔ اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ وہ تو بدنظریں ہیں، وہ تو بگڑی ہوئی نگاہیں ہیں۔ وہ جو آپ سے توقعات رکھیں گی وہ بدی اور بگاڑ کی توقعات ہوں گی اور اگر آپ ان کی نظروں میں رہتے ہیں تو پھر آپ محفوظ نہیں ہیں اور اگر آپ کو یہ احساس ہی نہیں کہ ایک اور نظر بھی ہے جو دیکھ رہی ہے تو سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ جو پاک نظر ہے اور ہر حال میں آپ کو دیکھتی ہے، تنہائیاں بھی آپ کی اس نظر سے الگ نہیں رہتیں۔ تو یہ وہ نظر جو مادہ پرستی کی، دنیا کی نظر ہے وہ اس کے سامنے بالکل اس طرح غائب ہو جائے گی جیسے کوئی چیز فضا میں تحلیل ہو کر نظر سے دور ہو جائے۔ کچھ بھی اس کا پھر رفتہ رفتہ وجود نہیں رہتا۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام آپؑ کی صداقت کا عجیب ثبوت ہے لیکن یہ جو ٹکڑا ہے جب میں اس پہ پہنچ جاتا ہوں تو میری روح وجد میں آجاتی ہے۔ عجیب کلام ہے سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ۔ پاک ہے وہ ذات جو ہر حال میں مجھ پہ نظر رکھ رہی ہے اور پاک نظر ہر حال میں اسی پہ پڑتی ہے جس کے اعمال پاک ہوں، جس کی نیتیں پاک ہوں کیونکہ پاک نظر کو بدی دیکھنے کا کوئی شوق نہیں ہوتا۔

پس اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جتنا آپ پاک ہوتے چلے جائیں گے اتنا ہی پاک نظر میں آتے چلے جائیں گے اور جب پاک نظر میں آجائیں تو بدنظر کی کوڑی کی بھی پرواہ نہیں رہتی۔ وہ آپ کو پرانے زمانے کا سمجھیں، جو کچھ کہیں۔ آپ کو کیا پرواہ ہے اگر اللہ کی نظر آپ پر ہے اور آپ جانتے ہیں کہ اس نظر کی ایک قدر ہمارے دل میں ہے دوسری نظروں کی کوئی قدر نہیں ہے۔ میں نے کئی دفعہ حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثال جماعت کے سامنے رکھی ہے۔ وہ

سادہ مزاج آدمی، نہ کپڑوں کا خیال، نہ اپنی شکل وصورت کا دھیان کہ کیا دکھائی دے رہا ہوں۔ حالت یہ تھی کہ بعض دفعہ اپنے بیٹے مظفر کی شلوار پہن کر باہر نکل جایا کرتے تھے جو گھٹنوں تک آتی تھی بمشکل اور اسمبلی کے ممبر۔ ایک ایسی حالت میں ایک دفعہ پنجاب اسمبلی میں گئے تو آگے پہریداروں نے روک دیا کہ ہم مان ہی نہیں سکتے کہ تم اسمبلی کے ممبر ہو۔ انہوں نے کہا میں تو ہوں اب تم مانو نہ مانو۔ اتنے میں کوئی معزز رکن اسمبلی جو بہت معروف تھا وہ آیا اور بڑا جھک کے چودھری صاحب کو سلام کیا، پہریدار کو کہا ایک طرف ہٹو یہ بہت معزز ممبر ہیں اسمبلی کے۔ تو اسی مظفر کی شلوار میں اسمبلی میں چلے گئے اس لئے کہ اپنے نفس پر اعتماد تھا۔ اپنے پہ جب اعتماد ہو اور اعلیٰ قدروں کے نتیجے میں اعتماد ہو تو دنیا کی نظروں کی کوئی بھی حقیقت نہیں رہتی۔

ایک دفعہ چودھری صاحب سے کسی نے پوچھا کہ چودھری صاحب آپ کو جو حضرت مصلح موعودؓ کبھی گورنر سے ملنے کے لئے بھیج دیتے تھے کبھی کمشنر سے، کبھی اور حکومت کے اعلیٰ افسروں سے جو اکثر انگریز ہی ہوا کرتے تھے تو آپ تو بڑے سادہ سے آدمی ہیں کس کس قسم کے کپڑوں میں ملبوس ہیں لوگ تو کہتے ہیں بڑا Shabby ہے تو آپ کو کبھی خیال نہیں آتا، کوئی جھجک نہیں آتی کہ آپ کس سے ملنے جارہے ہیں اور وہاں جا کر آپ کو کیا محسوس ہوتا ہے۔ چودھری صاحب نے بڑی سادگی سے جواب دیا کہ تم کیا بات کر رہے ہو مجھے تو ایک چیز ہے جو ہمیشہ یاد رہتی ہے اور وہی میری حفاظت کرتی ہے۔ جب میں لوگوں سے ملنے جاتا ہوں تو میں کہتا ہوں یہ دنیا کی ایک حکومت کے نمائندہ ہیں اور میں خدا کا نمائندہ ہوں اور خدا کے خلیفہ کا نمائندہ ہوں۔ اس لئے میرے سامنے تو انہوں نے پنجابی میں کہا کہ ’’مینوں تے اوں لگدا جی ویں سامنے چڑی دا بوٹ بیٹھا ہویا اے۔‘‘ چڑی کے بوٹ کی مثال بڑی پیاری ہے وہ چڑی کا جو بچہ نیا نیا انڈوں سے نکلتا ہے اس پر پر بھی نہیں ہوتے، وہ پھپھڑا سا سرخ رنگ کا بالکل بے حیثیت چیز۔ اگر چڑیا جان ڈال کے اس کی حفاظت نہ کرے تو وہ کچھ بھی نہیں رہتا وہ ایک دو دن بھی اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تو وہ مثال دی کہ ’’مینوں تے اوں لگدا جی ویں سامنے چڑی دا بوٹ بیٹھا ہویا اے۔‘‘ میں تو رحم سے اس کو دیکھ رہا ہوتا ہوں۔ مجھے کہاں یہ خیال پیدا ہوگا کہ کوئی بڑا آدمی مجھ پر حاوی ہو چکا ہے۔ پس یہ خدا کی عظمت کا احساس جب دل میں جاگزیں ہو جائے، اپنی قدروں پر فخر جو انکسار پیدا کرتا ہے اور تکبر پیدا نہیں کرتا۔ یہ وہ ہتھیار ہیں جن کے ساتھ ہم

نے اپنی بھی اس غیر معاشرے میں حفاظت کرنی ہے اور اپنی اولاد کی بھی حفاظت کرنی ہے اور یہ وہ قدریں ہیں جن کو دنیا پہچانتی بھی ہے اور حقیقت میں انہی کی عزت کرتی ہے۔

یہ وہم ہے آپ کا کہ آپ ان جیسے بننے کی کوشش کریں گے تو آپ معزز ہو جائیں گے اور اپنے جیسے رہیں گے تو یہ آپ کو حقارت سے دیکھیں گے۔

گہری قدر اور عزت اعلیٰ اقدار کی ہوا کرتی ہے اور اگر آپ اعلیٰ اقدار کے حامل ہوں تو آپ کے کپڑے جیسے بھی ہوں، آپ پردے کے قائل ہوں، جس طرح چاہیں الگ زندگی بسر کریں، آپ سوسائٹی میں ایک عزت پائیں گے لیکن سوسائٹی میں عزت پانے کے لئے آپ نے بھی وہی کام شروع کیا تو پھر وہی بات پیدا ہو جائے گی کہ خدا کی نظروں میں نہیں رہیں گے۔ یہ میں محض ایک مثال کے طور پر بتا رہا ہوں آپ کی نظر کا رخ تبدیل کرنے کے لئے نہیں۔ نظر کا رخ وہی ہے جو ایک ہی ہے اور وہ کلمہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه میں ظاہر فرمایا گیا ہے، جو قبلے میں دکھایا گیا ہے کہ اللہ ہی کی طرف خیال رکھو۔ اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرہ: 116) عجیب کلام ہے اور اس کے جواب میں پھر سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِیْ کی آواز مومن کے دل سے اٹھتی ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے جہاں کہیں بھی تم منہ پھیرو گے، جدھر بھی منہ اٹھاؤ گے وہیں خدا کا چہرہ دکھائی دے گا، ہر وقت اس کی نظر میں ہو۔ تو کیسا پاکیزہ جواب ہے جو اس الٰہی کلام کے اثر کو گہرائی سے قبول کرنے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل سے اٹھا سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِیْ (یہ روز کر مبارک تو آتا ہے اس میں، لیکن عمداً چھوڑ رہا ہوں) اصل مصرے کی جان یہ ہے سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِیْ پاک ہے وہ ذات جو ہر حال میں مجھ پر نگاہ رکھتی ہے ہر حال میں مجھے دیکھتی رہتی ہے۔

تو یہ عارضی باتیں، چند مشغلے، کسی کا آنا اور چلے جانا، اس کا یہ سمجھنا کہ دیکھو ان کی عورتیں الگ بیٹھی ہوئی تھیں ہمارے ساتھ نہیں جڑ کے بیٹھیں۔ یہ معمولی حقیر باتیں ہیں۔ ان لوگوں کی خاطر جنہوں نے آپ کا کچھ نہیں بنانا، آپ کا کچھ نہیں کرنا، آپ خدا کی نظر میں گر جائیں اور احساس کمتری کا شکار ہو کر اپنی نظر میں خود حقیر ہو جائیں اگر آپ کو علم نہ بھی ہو تو عملاً ایک مومن کی نظر میں ایسا انسان حقیر ہو جاتا ہے۔ یہ اچھا سودا نہیں ہے۔ پس میں آپ کو سمجھاتا ہوں کہ اپنی قدروں کی حفاظت کریں اور جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے، اپنے آباؤ اجداد پر نگاہ رکھیں اکثر آپ میں سے ایسے ہیں جن کے آباؤ اجداد

نے عظیم قربانیاں پیش کی ہیں، بڑی اقدار کے مالک تھے، سادہ لوح تھے، سادہ عادات تھے، سادہ کپڑوں میں ملبوس ہوا کرتے تھے لیکن گدڑی میں لعل اگر واقعۃً کبھی کوئی انسان کی صورت میں پھرا ہے تو یہ وہی لوگ تھے جن کو ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت سے فیض یاب ہوتے دیکھا اور پھر ان کی صحبت سے ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے فیض یاب ہوئے، ان قدروں کو لے کر پھریں اور پھیلائیں۔

اب میں اپنے افریقن بھائیوں کو بھی متوجہ ہو کر دوبارہ توجہ دلاتا ہوں کہ آپ نے اس دفعہ میرا دل بہت خوش کیا ہے کیونکہ آپ کے اندر وہ دو قسم کی تبدیلیاں میں نے دیکھی ہیں۔ ایک یہ کہ ہم احمدیت کی تبلیغ کو ضرور پھیلائیں گے۔ دوسرے یہ کہ آپ کی نسلوں میں جماعت سے تعلق اور محبت کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ وہ استقلال ہے نیکیوں کا جس کی خدا ہم سے توقع رکھتا ہے جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر:19) اے لوگو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور یہ نہ سمجھو کہ محض تمہاری ذات کا تقویٰ کافی ہوگا۔ یاد رکھو اگلی نسل پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ جیسے خدا تم پر نظر رکھتا ہے ویسے ہی تم خدا کی نمائندگی میں اپنے بچوں پر ہر حال میں نظر رکھو اور یہ معلوم کرو کہ تم آگے کیا بھیج رہے ہو۔ پس بڑا ہی خوش نصیب ہے وہ باپ اور بڑی خوش نصیب ہے وہ ماں جو دونوں اپنے پاک، نیک بچوں کو آگے بھیجتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اور مصرعہ بھی میں نے کئی دفعہ دہرایا ہے اور جتنی دفعہ بھی دہرائیں اس کی لذت کم نہیں ہوسکتی۔ ایک دعا میں عرض کرتے ہیں، اپنی اولاد کے حق میں دعائیں دیتے ہوئے۔ کیسا پیارا کلام ہے۔ کوئی بدنصیب ہی ہوگا جو ایسے شخص کو جھوٹا سمجھے جس کے منہ سے یہ مصرعہ نکلے کہ

یہ ہو میں دیکھ لوں تقویٰ سبھی کا
جب آوے وقت میری واپسی کا (درثمین:48)

عجیب کلام ہے۔ کوئی جھوٹا آدمی اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ میں خدا سے یہ مانگوں کہ جب میں رخصت ہو رہا ہوں تو دنیا پر میری نظر اس طرح پڑ رہی ہو کہ میری اولاد نیک اور متقی ہو چکی ہو اور تیری نظر میں، تیری بارگاہ میں مقام حاصل کر چکی ہو۔

تو یہ ایک بہت ہی عظیم صداقت ہے جس سے ہماری اپنی صداقتیں پہچانی جاتی ہیں اگر آپ

کے دل میں یہ تمنا ہو کہ کاش یہاں سے جاتے وقت میں اپنی اولاد کو نیک دیکھوں اور سلسلے سے وابستہ دیکھوں اور مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کے خلفاء اور آپؑ کے نظام کا عاشق دیکھوں تو یہ آپ کی سچائی کی ایک علامت ہے اور ایسے سچے دل کی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں۔ پس آپ کے لئے تو یہ ایک گنجینۂ معانی ہے، ایک خزانہ ہے مطالب کا، جو اس مصرعے میں مَیں نے آپ کے سامنے رکھا ہے کہ یہ تمنا رکھیں کہ آپ نیک اور پاک نسل پیچھے چھوڑ کر جائیں اور وہ نسل جو آئندہ کے لئے ایک مرتے ہوئے معاشرے کی زندگی کی ضمانت بن جائے۔

زندگی آخر کیسے ملتی ہے؟ محض عقائد سے زندگی نہیں ملا کرتی۔ عقائد زندگی کے لئے رستے بناتے ہیں۔ پس صراط مستقیم دو طرح سے بنتی ہے ایک سچے عقیدوں سے اور دوسرا اس پر چلنے سے۔ اس کے بغیر رستہ تو بن گیا مگر اگر اس پر سفر نہ کیا تو اس کی کوئی بھی حقیقت نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں ہمیں یہ دعا سکھائی۔ اول یہ کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ہمیں وہ رستہ دکھا دے جو پاک عقائد سے بنتا ہے، جس میں کوئی رخنہ نہیں، جس میں سارے عقائد درست ہیں، اور اس کا رخ ٹھیک ہے۔ مگر وہ رستہ نہیں جو خالی پڑا ہوا ہے۔ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ وہ رستہ جس پر تجھ سے انعام پانے والے چلتے رہے۔ یعنی ہمیں بھی اس رستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما جس کے چلنے والوں میں سب سے عظیم نام حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کا نام ہے۔ ان کے پیچھے پاک انبیاءؑ کا ایک ہجوم ہے جو آپؐ کے پیچھے چل رہا ہے اور ان کے پیچھے پھر صدیقین ہیں پھر شہداء ہیں پھر صالحین ہیں۔ کیسا پاک رستہ ہے جس کی طرف پہلے ہدایت کی دعا سکھائی گئی اور پھر چلنے کی توفیق کی دعا سکھائی گئی۔

پس آپ ان اقدار کو جو احمدیت آپ کو عطا کر رہی ہے ان کو محض اپنے عقیدوں میں اپنے ذہنوں میں جگہ نہ دیں بلکہ اعمال میں ڈھالیں تو پھر دیکھیں آپ مجسم نور بن جائیں گے۔ قرآن کریم نے نور کے تجسّم کا یہ تصور پیش فرمایا ہے کہ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ (التحریم:9) کہ ان کا نور سینوں میں چھپا ہوا تو نہیں رہا کرتا کہ کوئی یہ کہے کہ ہاں میں نے اللہ کا نور حاصل کر لیا ہے اور میرے دل میں ہے۔ اس نور کا کیا فائدہ؟ اس سے تو وہ جگنو بہتر ہے جو تھوڑا نور ہی سہی مگر چمکتا تو ہے کچھ نہ کچھ روشنی تو پیدا کرتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مومنوں کے نور کی جو مثال دی ہے وہ

یہ ہے کہ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ان کا نور ان کے آگے آگے بھاگتا ہے۔ ان کے رستے ان پر روشن کرتا چلا جاتا ہے۔ اور وہ بھی جوان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ان کے رستے بھی روشن ہوتے رہتے ہیں۔ پس احمدیت کو اس زندہ نور کے طور پر قبول کریں اور زندہ نور کے طور پر اپنے دل و جان میں جگہ دیں یہاں تک کہ یہ پھوٹے، آپ کی آنکھوں سے پھوٹے، آپ کے چہروں سے ظاہر ہو، آپ کے کلام سے پھوٹنے لگے اور آپ کا رستہ اپنے لئے بھی روشن اور منور ہو جائے اور آپ دنیا کے لئے بھی ایسے راہنما بن جائیں کہ روشن رستوں پر ان کو ساتھ لے کر آگے بڑھیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

آخر پر میں جماعت ہائے احمدیہ امریکہ اور جماعت ہائے احمدیہ کینیڈا کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ بڑوں نے بھی اور نوجوانوں نے بھی اور چھوٹے بچوں نے بھی، مردوں نے بھی اور خواتین نے بھی بڑی محنت کی ہے اور قطعاً تھکاوٹ کے آثار ظاہر نہیں ہونے دیئے۔ ضرور تھکتے تو ہوں گے لیکن جب کسی سے پوچھا اس نے ہنستے ہوئے کہا کوئی تھکن نہیں ہے بالکل پرواہ نہ کریں۔ جتنا چاہیں ٹھہریں ہم مسلسل محنت سے آپ کے موجود ہونے کے تقاضے پورے کرتے رہیں گے جس محبت اور اخلاص سے جماعت نے سلوک کیا ہے اس سے مجھے یقین ہے کہ یہ جو کمزوریاں ہیں یہ سطحی ہیں، گہری نہیں ہیں۔ دل کی گہرائی میں وہ محبت ہے جو اللہ سے تعلق کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ ورنہ اس زمانے میں، اس دنیاداری کے زمانے میں کون ہے جو اپنے آرام چھوڑ کر، بڑے بڑے خرچ کر کے، دور دور کے سفر طے کر کے، بار بار وہاں پہنچے جہاں وہ شخص ہو جس کے ہاتھ پر اس نے بیعت کی ہو اور ایسی محبت کا اظہار دنیا کے پردے میں کہیں آپ کو دکھائی نہیں دے گا۔ پس یہ بتاتا ہے کہ دل مخلص ہیں، دل سچے ہیں اور اگر دل سچے ہیں تو وہ رخنے جو نظر آنے لگے ہیں وہ ابھی پوری طرح جڑ نہیں پکڑ سکے، ان کو جڑ نہ پکڑنے دیں کیونکہ میں زمیندار رہوں میں جانتا ہوں کہ کتنی محنت سے کھیت تیار کئے گئے ہوں، اچھی فصلیں ہوں، اگر بد پودا ایک دفعہ جڑ پکڑ جائے پھر وہ فصل رفتہ رفتہ خراب ہو جایا کرتی ہے۔ تو جڑ پکڑنے سے پہلے اکھیڑ پھینکیں اور وہ اسی طرح ممکن ہے کہ اپنے نفس کے تجزیئے کی عادت ڈالیں اپنی نیتوں کا امتحان لیتے رہیں اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مثال دی ہے کہ پنوڑیا جس طرح پانوں کو الٹتا رہتا ہے تا کہ جہاں بھی کوئی داغ دکھائی دے اسے کتر کر

ایک طرف پھینک دے ورنہ ایک دفعہ کوئی داغ جس پان کے پتے پر پڑ جائے تو وہ خود بھی گل جاتا ہے اور ساتھ کے صحت مند پتے کو بھی گلاتا رہتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت پیاری مثال دی ہے کہ اپنی نیتوں کو اس طرح الٹتے پلٹتے اور پرکھتے رہو اور دیکھتے رہو کہ کہیں کوئی داغ تو نہیں لگ گیا۔ داغ لگا ہے تو اس حصے کو کاٹ کر الگ کر دو اور اپنے وجود کو ہمیشہ صحت مند اور پاک رکھو۔ اللہ تعالیٰ اس کی ہمیں توفیق عطا فرمائے اور جب بھی خدا مجھے آئندہ امریکہ میں آنے کی توفیق عطا کرے میں جماعت کو پہلے سے بہت زیادہ صحت منداور نشو ونما پاتا ہوا دیکھوں۔ کیونکہ آپ کی نشو ونما ہی میرے دل اور روح کی غذا ہے جتنا آپ بڑھتے ہیں اتنا ہی میرا دل بڑھتا ہے خدا کرے کہ جماعت امریکہ ہر پہلو سے ترقی کرتی رہے اور اسی طرح کینیڈا بھی۔

اب ڈش کا جو انتظام ہو چکا ہے اس کے ذریعے یہ خطبہ بھی اب سارے کینیڈا اور امریکہ میں سنا جا سکتا ہے۔ لیکن کینیڈا میں تو ایک ہزار ڈش اب تک بلکہ شاید اس سے کچھ زائد بھی ہوں جو گھروں میں لگ چکے ہیں لیکن امریکہ ابھی اپنے ہمسائے سے اس پہلو سے کچھ پیچھے رہ گیا ہے بلکہ کافی پیچھے رہ گیا ہے۔ ورنہ بچوں کی تربیت کے لئے یہ ذریعہ بہت ہی ممد ثابت ہو چکا ہے اور ہو گا اور جس محنت کے ساتھ جماعت کے مخلصین آپ کے لئے پروگرام بنا رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ آپ کی نئی نسلوں کی کایا پلٹ جائے گی۔ بجائے اس کے کہ آپ کو ان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو وہ آپ کو سنبھالنے لگیں گے اور فیملی ملاقات کے دوران یہ باتیں بھی بار بار سامنے آتی ہیں کہ بچہ ہے جو ہمیں اب بری بات نہیں کرنے دیتا کیونکہ غور سے ٹیلی ویژن دیکھتا ہے آپ نے جو کچھ کہا ہو اگر ذرا اس کے خلاف ہو تو کھڑا ہو جاتا ہے کہ ابا آپ نے یہ بات یوں کی ہے حالانکہ میں نے خود سنا ہے کہ یہ بات یوں ہونی چاہئے تھی۔ تو عجیب زمانہ آرہا ہے کہ بچے اپنے بڑوں کی حفاظت کر رہے ہیں اور ان کو سبق پڑھا رہے ہیں۔ پس اس زمانے سے فائدہ اٹھائیں تا کہ ہم آئندہ نسلوں کی اصلاح کی ضمانت بن جائیں اور یہ فیض جو خدا نے ہم پر عطا فرمایا ہے آئندہ ہمیشہ اس فیض کو دنیا میں بانٹتے رہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

خطبہ ثانیہ کے بعد اقامت الصلوٰۃ سے قبل حضور انور نے فرمایا:

جمعے کی نماز کے بعد ہم انشاء اللہ عصر کی نماز بھی ساتھ جمع کریں گے۔ میں چونکہ مسافر ہوں

میں دوگانہ پڑھوں گا۔ آپ میں سے جو بھی مسافر ہیں یعنی باہر کے شہروں سے آئے ہوئے ہیں وہ میرے ساتھ ہی سلام پھیریں گے۔ مقامی دوست بغیر سلام پھیرے انتظار کریں۔ جب میں دوسرا سلام پھیر کر فارغ ہو جاؤں، پھر کھڑے ہو جائیں اور بقیہ دو رکعتیں پوری کریں۔ یہ بار بار اس لئے دہرانا پڑتا ہے کہ بعض نئے دوست آنے والے شامل ہوتے رہتے ہیں، بچے بھی بعض نئے بڑے ہو رہے ہوتے ہیں، ان کی تربیت کے لئے چھوٹے چھوٹے مسائل بار بار بیان کرنے ضروری ہیں۔